

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

شیخ محمد علی الصابونی کا صفات باری تعالیٰ کے بارے میں موقف اور اس پر تنقید و تبصرہ

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد!

میں نے فضیلۃ الشیخ محمد علی الصالحی کا وہ انٹرویو دیکھا جو مجلہ "الجمع" شمارہ نمبر ۶۱۳ میں مورخہ ۶/۱۴۰۳ھ کو شائع ہوا نیز ان کے وہ چھ مقالات بھی دیکھے جو "الجمع" شمارہ نمبر ۶۲۷ مورخہ ۹/۱۴۰۳ھ، شمارہ نمبر ۶۲۸ مورخہ ۱۲/۱۴۰۳ھ، شمارہ نمبر ۶۲۹ مورخہ ۱۰/۱۴۰۳ھ، شمارہ نمبر ۶۳۰ مورخہ ۶/۱۴۰۳ھ، شمارہ نمبر ۶۳۱ مورخہ ۱۰/۱۴۰۳ھ، شمارہ نمبر ۶۳۶ مورخہ ۲/۱۴۰۳ھ کو شائع ہوئے تھے، یہ انٹرویو اور مقالات بہت سی غلطیوں پر مشتمل ہیں، جن میں بعض کی جناب ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان نے اپنے اس مقالہ میں نشاندہی کی ہے، جو مجلہ "الدعوۃ" جلد نمبر ۵ شمارہ نمبر ۹۰۲ مورخہ ۱۰/۱۴۰۳ھ میں شائع ہوا نیز اس مقام میں یہ بھی "مجلہ الجمع" شمارہ نمبر ۶۲۳ مورخہ ۱۲/۱۴۰۳ھ اور شمارہ نمبر ۶۵۰ مورخہ ۲/۱۴۰۳ھ میں شائع ہوا تھا، ڈاکٹر فوزان نے بہت ہی عمدہ اور احسن انداز میں یہ مقالے لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے اور ان کے ساتھ حق کی مدد فرمائے، ڈاکٹر فوزان کی تائید و حمایت، کار خیر میں شرکت، حق کی اشاعت اور ان غلطیوں کی نشاندہی کئے میں بھی اس موضوع پر قلم اخباریہوں، جن کا جناب ڈاکٹر صالح نے اپنے مذکورہ دونوں مقالوں میں ذکر نہیں کیا ہے۔ واللہ العلیق۔

(۱)۔۔ ائمہ اربعہ کی تقلید

شیخ صابونی ائمہ اربعہ کی تقلید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”واجبات میں سے یہ سب سے اہم واجب ہے“ بلاشبک وشبہ تقلید کے بارے میں علی الاطلاق یہ موقف اختیار کرنا غلط ہے کیونکہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی یا ان کے علاوہ کسی اور امام کی تقلید واجب نہیں ہے خواہ علم کے اعتبار سے وہ کیسے ہی اچھے مقام پر فائز کیوں نہ ہو کیونکہ حق تو کتاب وسنت کی اتباع میں مضمر ہے، کسی کی تقلید میں نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بوقت ضرورت اس شخص کی تقلید کی گنجائش ہے جو علم وفصل اور استقامت عقیدہ میں معروف ہو جس کا علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”اعلام الموعنین“ میں بیان فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ ائمہ کرام رحمہم اللہ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ ان کے کلام کو لیا جائے، سوائے اس کے جو کتاب وسنت کے موافق ہو، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

« كل ليخذ من قوله ويرد الا صاحب هذا القبر »

”اس قبر میں محوِ استراحت ہستی کے سوا ہر شخص کے قول کو لیا بھی جاسکتا ہے اور رو بھی کیا جاسکتا ہے۔“

آپ یہ بات رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے، اسی طرح دیگر ائمہ کرام سے بھی اس کے ہم معنی اقوال مستقول ہیں۔

جس شخص کے لئے کتاب و سنت سے اخذ کرنا ممکن ہو، اس پر فرض ہے کہ وہ کسی کی تقلید نہ کرے اور یوقت اختلاف اس قول کو لے لے جو کتاب و سنت کے زیادہ قریب ہو اور جس کے لئے کتاب و سنت سے براہ راست اخذ کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے لئے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ اہل علم سے پیچھ لے چسکا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَسِعُوا أَيْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ **v** ... سورة الأنبياء

”اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔“

(۲) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مجتہد تھے۔

شخص صابونی لکھتے ہیں کہ ”ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس قدر بلند علمی درجہ کے باوجود مرتبہ اجتہاد تک نہیں پہنچے بلکہ وہ غلطی مذہب کے پیروکار تھے اور اکثر وہ بیشتر غلطی مذہب ہی کی پابندی کرتے تھے۔“

یہ قول محل نظر بلکہ صریحا غلط ہے کیونکہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ تو بہت بڑے مجتہد تھے، آپ میں شروط اجتہاد بدرجہ اتم موجود تھیں، مذہب حنبلی کی طرف آپ کا انتساب آپ کو دائرہ اجتہاد سے باہر نہیں نکالتا کیونکہ اس انتساب سے مقصود صرف یہ ہے کہ مذہب کے اصول و قواعد میں آپ امام احمد سے متفق ہیں، اس سے یہ مقصود نہیں کہ آپ بلا دلیل ہر بات میں امام احمد کے مقلد ہیں۔ شیخ الاسلام کا طرز عمل تو یہ تھا کہ جو قول و دلیل کے زیادہ قریب ہوتا، آپ اسے اختیار فرمالتے تھے۔

(۲) عقیدہ کی گمراہی بہت ہے، الٰہ الحسن اشعری نے اپنے مذہب سے رجوع کر لیا تھا

شیخ صابونی نے ذکر کیا ہے کہ عقیدہ کی وجہ سے اختلافات بہت کم ہیں نیز لکھا ہے کہ جو لوگ اشاعرہ کے مذہب کو گمراہکتے ہیں، ہم ان سے یہ کہیں گے کہ ختاوی ابن تیمیہؒ کی طرف رجوع کرو اور ابن تیمیہؒ نے الٰہ الحسن اشعری کے بارے میں جو لکھا ہے اسے پڑھو تاکہ ہمیں بھی یہ معلوم ہو جائے کہ اشعریوں کے مذہب کو گمراہکنے والے خود جاہل ہیں۔ اس کے جواب میں ہم یہ گزارش کریں گے کہ بلاشبک وشبہ عقیدہ اختلاف کے سبب بہت سے فرقے گمراہ ہوئے مثلاً معتزلہ، جہمیہ، رافضیہ اور قدریہ وغیرہ بلکہ اشاعرہ بھی ان عقائد میں گمراہ ہیں جن میں انہوں نے کتاب وسنت اور اس امت کے بہترین ائمہ ہدایت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ مجتہدین کی مخالفت کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی جو بے جاناوہلی کی ہے۔ یاد رہے الٰہ الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اشاعرہ میں سے تھے، اشعری اگرچہ ان کی طرف منسوب ہیں لیکن انہوں نے ان کے مذہب سے رجوع کر کے اہل سنت کے مذہب کو اختیار کر لیا تھا لہذا ائمہ نے امام الٰہ الحسن اشعری کی تعریف کی ہے، اشاعرہ کے مذہب کی تعریف نہیں کی۔ جو شخص اشاعرہ کے ان عقائد پر اعتراض کرتا ہے، جن میں انہوں نے اہل سنت کے عقیدہ کی مخالفت کی ہے، اس پر جالت کا الزام لگانا صحیح نہیں ہے کیونکہ جمالت کی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر کوئی بات کہی جائے لیکن جو شخص کتاب وسنت اور شریعت کے معتبر قواعد کی روشنی میں بات کرے، سلف امت کے راستہ پر چلے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی غلط تاویل کرنے والوں کا انکار کرے، اسے جمالت کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔

(۳) مردوں کی فوقیت

”مردوں کو شرعی امور کے مکلف ہونے کی وجہ سے فوقیت حاصل ہے، یہ فوقیت شرف کی وجہ سے نہیں ہے۔“

شیخ صابونی کی یہ بات بھی غلط ہے اور صبح بات یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر شرعی امور کے مکلف ہونے اور فضل و شرف کی وجہ سے فوقیت حاصل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الْإِنْسَانُ أَكْثَمُونَ عَلَى الْإِنْسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَهَذَا أَقْسَمُ مِنْ أَنْ تُؤْمِنُوا ۚ ۲۴ .. سورة النساء

”مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس لئے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ واضح فرمادیا ہے کہ اس نے مردوں کو دو باتوں کی وجہ سے عورتوں پر فوقیت عطا فرمائی ہے (۱) مردوں کی جنس کو عورتوں کی جنس پر فضیلت حاصل ہے۔ (۲) مردوں کو یہ فضیلت مال خرچ کرنے کی وجہ سے حاصل ہے کہ مرد ادا کرتے اور دیگر اخراجات پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

(۵) عقیدہ اہل سنت والجماعت سے منحرف لوگوں کے غلطی کے اعتبار سے کئی درجے ہیں۔ تفویض، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نہیں۔ شیخ صابونی مقدمہ کے بعد اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ ”یہ جائز نہیں کہ ہم ان۔۔۔ یعنی ”اشاعرہ“ و ”ماتریدیہ“۔۔۔ کو ان روافض، معتزلہ اور خوارج کی صف میں شامل کریں جو اہل سنت والجماعت سے منحرف ہو گئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ہم ان کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسماء وصفات باری کی تاویل کرنے میں ان سے غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ زیادہ محتاط بات یہ ہے کہ صفات کے موضوع کو ہم اللہ علام الغیوب کے سپرد کریں، جس سے کوئی بات بھی مخفی نہیں ہے۔“

اس بات کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ اہل سنت کے مخالف فرقوں کے غلطی کے اعتبار سے کئی درجے ہیں، بلاشبک وشبہ اشاعرہ غلطی کے اعتبار سے خوارج، معتزلہ اور جہمیہ کی طرح نہیں ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں یا جن مسائل میں انہوں نے اہل سنت سے الگ روش اختیار کی ہے، اسے بھی بیان نہ کیا جائے بلکہ اشاعرہ وغیرہ کی غلطیوں کی نشاندہی بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح دیگر فرقوں کی غلطیوں کو بیان کیا گیا تاکہ حق کو ظاہر کیا جائے، باطل کو واضح کیا جائے، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو پہنچایا جائے اور اس وعید سے بچا جاسکے جو حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں مذکور ہے:

إِنِّي أَنذَرُكُمْ بِمَنْزِلَاتِي مِنَ النَّارِ وَالنَّارِ فِي الْحَبَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ الْإِنْسَانُ ۚ ۱۵۹ ... سورة البقرة

”تحقیق جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے لئے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسے لوگوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ہاں جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی حالت درست کر لیتے اور (احکام الہی کو) صاف صاف بیان کر دیتے ہیں تو میں ان کے قصور معاف کر دیتے ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا (اور) رحم والا ہوں۔“

پھر ہم یہ بھی کہیں گے کہ زیادہ محتاط یہ بات نہیں کہ صفات کے مسئلہ کو اللہ علام الغیوب کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے صفات کو اپنے بندوں کے سامنے کھول کھول کر بیان فرمادیا ہے، اپنی کتاب کریمہ میں اول اپنے رسول امین ﷺ کی زبانی ان کی وضاحت فرمادی ہے ہاں البتہ ان کی کیفیت کو بیان نہیں فرمایا، لہذا واجب یہ ہے کہ ان کی کیفیت کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے نہ کہ ان کے معانی کے علم کو۔ اور یہ تفویض (اللہ کے سپرد کرنا) مذہب سلف نہیں ہے بلکہ یہ ایک نیا مذہب ہے، جو سلف صالحین کے مذہب کے خلاف ہے، چنانچہ امام احمد اور دیگر ائمہ سلف نے اہل تفویض کی اس بدعت کا انکار کیا ہے، کیونکہ ان (اشاعرہ وغیرہ) کے مذہب کا تو تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس انداز سے خطاب کیا ہے کہ اس کے معنی کو وہ سمجھتے ہی نہیں اور اس کی مراد کو وہ جانتے ہی نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس سے پاک ہے کہ وہ ایسا انداز اختیار فرمائے۔ اہل سنت اللہ تعالیٰ کے کلام کی مراد کو جانتے ہیں، اس کے اسماء وصفات کے تقاضے کے مطابق اس کی صفات بیان کرتے ہیں اور وہ اسے ہر اس چیز سے پاک سمجھتے ہیں جو اس کی ذات گرامی کے شایان شان نہ ہو۔ اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کی روشنی میں یہ جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام امور میں کمال مطلق کے ساتھ موصوف ہے، جن کے بارے میں اپنی ذات گرامی کے حوالے سے اس نے خود خبر دی یا اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے۔ اب اس سلسلہ میں ائمہ سلف کے چند اہم اقوال ذکر کرتا ہوں تاکہ قارئین کرام کے سامنے یہ واضح ہو جائے کہ ہمارا موقف صحیح ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ”الفتاویٰ الحمویہ“ میں ذکر فرمایا ہے کہ امام ابو بکر عیسیٰ نے اپنی کتاب ”الاسماء والصفات“ میں صبح سند کے ساتھ امام اوزاعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم۔۔۔ جب بہت سے تابعین موجود تھے۔۔۔ یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے، اسی طرح ہمارا ان صفات پر بھی ایمان ہے، جن کا ذکر سنت میں آیا ہے۔ اوزاعی۔۔۔ جو کہ عہد تبع تابعین کے ائمہ اربعہ (مالک، اوزاعی، لیث اور ثوری) میں سے ایک ہیں۔۔۔ نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے اور اس کی دیگر تمام صفات پر ایمان لانے کے متعلق کہا ہے کہ یہ قول تو تابعین سے منقول ہے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اس وقت فرمایا جب کہ ہم کا مذہب ظاہر ہو چکا تھا، جو اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا منکر تھا نیز وہ صفات الہی کا بھی منکر تھا، امام اوزاعی نے یہ اس لئے فرمایا تھا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ سلف کا مذہب ہم کے مذہب کے خلاف ہے۔

ابوبکر خلال نے "متائب السنہ" امام امام اوزاعی سے روایت کیا ہے کہ مکحول اور زہری احادیث کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، ان کو اسی طرح مانو جس طرح یہ آئی ہیں۔ ولید بن مسلم سے بھی روایت ہے کہ میں نے مالک بن انس،

سفیان ثوری، لیث بن سعد اور اوزاعی سے ان روایات کے بارے میں پوچھا جو کہ صفات باری سے متعلق ہیں تو انہوں نے فرمایا "ان پر اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح یہ آئی ہیں۔" ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "ان کو اسی طرح مانو جس طرح بلا کیفیت یہ آئی ہیں۔" ان ائمہ نے درحقیقت یہ فرما کر کہ جس طرح یہ آئی ہیں، معطلہ کا رد کیا ہے اور بلا کیفیت کہہ کر مشغلہ کا رد کیا ہے۔

امام زہریؒ اور مکحولؒ اپنے زمانہ کے تابعین میں سب سے بڑے عالم تھے جب کہ باقی چار امام تبع تابعین کے دور میں دنیا کے سب سے بڑے امام تھے، حماد بن زید اور حماد بن سلمہ جیسے ائمہ کا شمار بھی انہی کے طبقہ میں ہے۔ ابوالقاسم ازہبی نے اپنی سند کے ساتھ مطرف بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے امام مالک بن انس سے سنا۔۔۔۔۔ جب کہ آپ کے پاس ایک ایسے شخص کا ذکر ہوا جو احادیث صفات کا منکر ہے کہ وہ حضرت عمر بن عبد العزیز کا قول نقل کر رہے تھے کہ "رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد کے حکمرانوں (خلفاء راشدین) نے کچھ سنتیں مقرر فرمائی ہیں کہ انہیں اذکرنا کتاب اللہ کی تصدیق، اطاعت الہی کی تکمیل اور اللہ کے دین کے لئے باعث قوت ہے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کو بدلے اور نہ کسی ایسی چیز کو دیکھنا جائز ہے جو ان کے مخالفت ہو، جو ان کے ساتھ ہدایت طلب کرے ہو یا ہدایت یا خیر ہے، جو ان کے ساتھ نصرت طلب کرے وہ منصور ہے اور جو ان کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ کے علاوہ کوئی اور راہ تلاش کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی طرف پھیر دے گا جس طرف اس نے منہ کیا ہے اور اسے جہنم رسید کرے گا جو بدترین ٹھکانا ہے۔"

خلال نے ایسی سند کے ساتھ جس کے سب روای ائمہ ثقافت ہیں، امام سفیان بن عیینہ سے روایت کیا ہے کہ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن سے، ارشاد باری تعالیٰ :

الرحمن علی العرش استوی ۵۔۔ سورۃ طہ

"رحمن، جو عرش پر مستوی ہے۔"

کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے مستوی ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا "استواء غیر مجہول ہے، کیفیت غیر معقول (عقل میں نہ آنے والی) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغام بھیجا، رسول اللہ ﷺ نے اسے واضح طور پر پہنچا دیا اور ہم پر فرض ہے کہ اس کی تصدیق کریں یہ کلام ربیعہ بن ابی عبد الرحمن کے تلمیذ رشید امام مالک بن انس سے بھی کئی سندوں سے مروی ہے۔ مثلاً ابوالشج اشہانی اور ابوبکر یزیدی نے یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کیا ہے کہ ہم امام مالک بن انس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ اے ابو عبد اللہ۔ "الرحمن علی العرش استوی" کے حوالہ سے سوال ہے کہ استواء کی کیا کیفیت ہے؟ یہ سوال سن کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سر جھکا لیا حتیٰ کہ آپ پسینے میں شرابور ہو گئے اور پھر فرمایا "استواء غیر مجہول ہے، کیفیت غیر معقول ہے اس کے ساتھ ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔" پھر فرمایا کہ "میں تمہیں بدعتی سمجھتا ہوں۔" اور پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو یہاں سے نکال دیا جائے۔

امام ربیعہ اور امام مالک کا جو یہ قول ہے کہ استواء غیر مجہول، کیفیت غیر معقول ہے اور اس کے ساتھ ایمان لانا واجب ہے تو یہ باقی ائمہ کے اس قول کے موافق ہے کہ صفات کو اسی طرح مانو جس طرح یہ بلا کیفیت آئی ہیں تو اس طرح انہوں نے کیفیت کے علم کی نفی کی ہے، صفت کی حقیقت کی نفی نہیں کی، اگر یہ لوگ معنی سمجھ بغیر محض الفاظ پر ایمان لائے ہوتے تو یہ نہ کہتے "استواء غیر مجہول، کیفیت غیر معقول ہے۔" اور نہ یہ کہتے کہ "ان کو اسی طرح بلا کیفیت مانو جس طرح یہ آئی ہیں۔" ورنہ اس طرح استواء معلوم نہ ہوتا بلکہ حروف مجہول کی طرح مجہول ہوتا اور اگر لفظ سے معنی سمجھ میں نہ آتے تو پھر نفس کیفیت کے چلنے کی بھی ضرورت نہ تھی بلکہ ضرورت اسی بات کی تھی کہ صفات کے اثبات کے بعد ان کی کیفیت چلنے کی نفی کی جاتی۔

جو شخص جزئی صفات یا مطلقا صفات کی نفی کرے اسے بلا کیفیت کہنے کی ضرورت نہیں ہے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ عرش پر نہیں ہے تو اسے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ عرش پر بلا کیفیت مستوی ہے، اگر سلف کا مذہب حقیقت میں نفی صفات ہوتا تو وہ بلا کیفیت کے الفاظ استعمال نہ کرتے، علاوہ ازیں ان کا یہ کہنا کہ "ان کو اسی طرح بلا کیفیت مانو جس طرح یہ وارد ہیں" اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کی دلالت کو ان کے الفاظ کے اعتبار سے اسی طرح باقی رکھا جائے، یہ آیات ایسے الفاظ پر مشتمل ہیں جو اپنے معانی پر دلالت کرتی ہیں اگر ان الفاظ کی اپنے معانی پر دلالت نہ ہوتی تو پھر واجب یہ تھا کہ یہ نہ کہا جاتا کہ ان کے الفاظ کو تو مانو لیکن عقیدہ یہ رکھو کہ ان کا مضمون مراد نہیں ہے یا یہ کہ ان الفاظ کو تو مانو اور عقیدہ یہ رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو ان صفات کے ساتھ موصوف قرار نہیں دیا جاسکتا، جن پر الفاظ کی حقیقت دلالت کتنا ہے اور پھر اس وقت ان کو اس طرح مانا تو جاتا جس طرح یہ آئی ہیں اور یہ کہا جاتا کہ ان کو بلا کیفیت مانو کیونکہ جو چیز ثابت ہی نہ ہو اس کی کیفیت کی نفی کرنا ایک لغو بات ہے۔

(۶) جو حق کی مخالفت کرے، اس کا انکار کرنا واجب ہے، علم چھپانے کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے

شیخ صالح بنی نے اپنے مذکورہ مقالہ میں شیخ حسن البنا کے حوالہ سے یہ بات بھی لکھی ہے کہ "ہم متفق علیہ باتوں پر جمع ہو جائیں گے اور مختلف امور میں ایک دوسرے کو معذور سمجھیں گے۔"

اس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ ہاں جن امور میں ہم متفق ہیں مثلاً یہ کہ حق کی نصرت و حمایت کی جائے، اس کی دعوت دی جائے، ان امور میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا واجب ہے باقی رہا مختلف امور میں ایک دوسرے کو معذور سمجھنا تو یہ بات علی الاطلاق درست نہیں ہے بلکہ اس میں قدرے تفصیل ہے۔ وہ مسائل جو اجتہادی ہیں اور جن کی دلیل خفی ہے تو ان میں یہ واجب ہے کہ ہم ایک دوسرے کا انکار نہ کریں لیکن وہ مسائل جو نصوص کتاب و سنت کے خلاف ہوں، ان میں حکمت، موعظت حسنہ اور احسن اہداز میں جدال کے اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے انکار کرنا واجب ہے تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق عمل ہو سکے :

وَقَاتِلُوا عَلَى الْبِرِّ وَالنَّهْيِ وَالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ ۲۔۔۔

"نیک اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اور فرمایا :

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے (مدد و معاون اور) دوست ہیں وہ بھلائیوں (نیکی) کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔“

اور فرمایا :

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالنَّوْعَانِ الْحَسَنَةِ وَجِءْ لِمَا بَأْتَى بِحُجَّتِكَ ... [١٢٥](#) ... سورة النحل

((اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے بحث (مناظرہ) کیجئے۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”تم میں سے جو شخص برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے کہ ”جو شخص نیکی کے کام کی رہنمائی کرے اسے بھی عمل کرنے والے کے برابر ثواب ہوگا۔“ ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے اپنی ”صحیح“ میں بیان فرمایا ہے اور اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔

(۷) مسلمانوں کا دینی اختلاف اگرچہ بہت عظیم حکمتوں پر مبنی ہے تاہم واجب ہے کہ حق کا اتباع اور خواہش نفس سے اجتناب کیا جائے

پھر اپنے دوسرے مقالہ میں شیخ محمد علی صابونی نے مسلمانوں کے سلفی، اشعری، صوفی، ماتریدی۔۔۔ اور دیگر مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے پر بہت تنقید کی ہے، بلاشبک وشبہ مسلمانوں کی تفرقہ بازی ہر مسلمان کے لئے تکلیف دہ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مسلمان بھائی حق پر کھڑے ہوں اور نیکی و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کریں لیکن مسلمانوں میں یہ جو اختلاف ہے اس میں بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے کئی عظیم محبتیں اور قابل ستائش مصلحتیں ہیں جن کی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف ہی کی جائے گی، اس کے سوا ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو تفصیل کے ساتھ کوئی اور جانتا بھی نہیں ہے، ہمیں اتنا معلوم ہے کہ اس سے یہ تمیز ہو جاتی ہے کہ اللہ کے دوست کون ہیں اور اس کے دشمن کون، طلب حق میں سرگرم عمل کون ہیں اور حق سے منہ پھیر کر اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے کون ہیں، اس میں نبی کریم ﷺ کی تصدیق بھی ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ وہ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں کیونکہ آپؐ نے تو وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی اس اختلاف کی خبر دے دی تھی اور فرمایا تھا کہ ”میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ان میں سے ایک فرقہ کے سوا باقی سب جہنم رسید ہوں گے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! وہ فرقہ کون سا ہے؟“ فرمایا ”وہ جماعت ہے اور ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ وہ فرقہ جس کا عمل اس کے مطابق ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔“ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ حق پر جمع ہوں اور پہلے متنازع امور کو اللہ اور اس کے رسول کے ﷺ کی طرف لوٹا دیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَإِنْ سِتْرُكَ عَلَى شَيْءٍ فَقَرْوْهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ فَاعْلَمُوا ۚ

”اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔“

اور فرمایا :

وَمَا خَلَقْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحَمْدٌ إِلَى اللَّهِ

”اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوگا۔“

یہ دونوں آیات کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ جب بھی ان میں عقیدہ یا کسی دوسرے مسئلہ میں نزاع ہو تو اسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دیں، اس سے ان کے مسلمہ حق واضح ہو جائے گا، ان میں اختلاف اور دشمنوں کے خلاف ان کی صفوں میں اتحاد پیدا ہو جائے گا، ہر گروہ کا اپنے باطل موقف پر ڈٹے رہنا اور حق پر قائم دوسرے گروہ کی بات کو تسلیم نہ کرنا، اس طرز عمل کی شریعت میں ممانعت ہے اور یہی دشمنوں کے مسلمانوں پر غلبہ اور تسلط کا سبب ہے، وہ شخص حد درجہ قابل ملامت ہے جو باطل پر جما رہتا ہے اور حق قبول کرنے سے انکار کرتا ہے لیکن جو شخص حق کو اختیار کرے اس کی دعوت دے، اس کی مخالفت کرنے والے کے باطل موقف کو واضح کر دے تو یہ شخص قابل ملامت نہیں بلکہ اس قابل ہے کہ اس کا شکر یہ ادا کیا جائے، ایسے ہی شخص کے لئے دوا جبر میں ایک اجتہاد کا اجرا اور دوسرا حق کو اپنے کا اجر۔

(۸) رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد سے لے کر آج تک اہل سنت والجماعت کا مذہب ایک ہی ہے

شیخ صالح بنی نے اپنے دوسرے مقالہ میں ذکر کیا ہے کہ اہل سنت کے دو مذہب مشہور ہیں (۱) مذہب سلف اور (۲) مذہب خلف۔۔۔۔۔ الخ

یہ بات بالکل غلط ہے اور ہمارے علم کے مطابق صابونی سے پہلے کسی نے آج تک یہ بات نہیں کی کیونکہ اہل سنت کا صرف ایک ہی مذہب ہے اور یہ وہی مذہب ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تابعین عمل پتے تھے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر اسی طرح ایمان لایا جائے، جس طرح یہ واروہیں اور ان پر ایمان لایا جائے کہ یہ حق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان اسماء و صفات سے اسی طرح موصوف ہے جس طرح اس کے شایان شان ہے، ان میں تحریف، تعطیل، تکلیف، تشبیل، ظاہر معنی کے بجائے تاویل اور تقویض کے اہل سنت قائل نہیں بلکہ اہل سنت کا ایمان ہے کہ ان کے معنی معلوم ہیں اور وہ حق اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے لائق ہیں کہ وہ ان میں سے کسی بھی چیز میں اپنی مخلوق سے مشابہت نہیں رکھتا اور خلعت کا مذہب اس کے خلاف ہے جیسا کہ ہر وہ شخص اسے جانتا ہے جس نے دونوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو، اس کے بعد صابونی نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اہل سنت صفات کے معانی کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اور اسے انہوں نے بار بار کئی مقامات پر ذکر کیا ہے تو ان کی یہ بات غلط ہے اور اہل سنت کی طرف انہوں نے ایک ایسی بات کو منسوب کیا ہے، جس سے وہ بری ہیں جیسا کہ قبل ازیں ہم تمام اہل سنت کی طرف سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے حوالہ سے اس کا جواب دے آئے ہیں کہ اہل سنت اللہ تعالیٰ کی طرف صفات کے معانی کو نہیں بلکہ ان کی کیفیت کے علم کو سپرد کرتے ہیں جیسا کہ پہلے بھی اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

(۹) اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اثبات و نفی نص کی بنیاد پر ہوگی

پھر صابونی نے ذکر کیا ہے۔ اللہ اسے ہدایت بخشنے۔۔۔ کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جسم، آنکھ، کان، زبان اور طلق سے پاک ہے۔۔۔ یہ اہل سنت کا مذہب نہیں بلکہ یہ تو اہل کلام مذہب کا مبنی بر تکلف قول ہے۔ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے صرف اسی چیز کی نفی کرتے ہیں، جس کی نفی اس نے خود یا اس کے رسول ﷺ نے فرمائی ہے اور اثبات بھی صرف اسی چیز کا کرتے ہیں جس کا اثبات اس نے خود یا اس کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے، ان مذکورہ بالا امور کا نصوص میں چونکہ اثبات ہے نہ نفی، لہذا واجب ہے کہ ان کے بارے میں بحث نہ کی جائے اور نفی و اثبات کے اعتبار سے ان کے بارے میں تعرض نہ کیا جائے، اس سلسلہ میں یہی قول کافی ہے کہ اہل سنت اللہ تعالیٰ کے صفات و اسماء کے اثبات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ان میں اپنی مخلوق سے مشابہت نہیں رکھتا کہ اس ذات گرامی کا کوئی شریک نہیں اور اس کا کوئی ہم سر نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کی صرف وہی صفت بیان کی جائے گی جو اس نے خود بیان فرمائی یا اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی، اس سلسلہ میں قرآن و حدیث سے تجاوز نہیں کیا جاسکتا۔“ بہت سے دیگر ائمہ سنت نے بھی یہی بات بیان فرمائی ہے، ہاں البتہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی ”کتاب الاعتقاد“ میں اس طرح کی جو باتیں آگئی ہیں تو ان کا تعلق متقدمین کے کلام اور تکلف سے ہے، جن کو انہوں نے لہجہ اسبجہ کران کے صحیح ہونے کا عقیدہ اختیار کر لیا حالانکہ حق بات یہ ہے کہ یہ اہل سنت کا کلام نہیں بلکہ اہل بدعت کا کلام ہے۔

(۱۰) اہل سنت والجماعت اثبات و نفی میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے پابند ہیں

صابونی نے اپنے دوسرے مقالہ میں لکھا ہے کہ ”سج کل کے بعض جاہل مدعیان اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب صورت پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اس طرح پیش کرتے ہیں گویا وہ اعضا، و حواس سے مرکب ایک جسم ہے جس کا ایک چہرہ، دو ہاتھ، دو آنکھیں، پنڈلی اور انگلیاں، وہ چلتا، نازل ہوتا اور دو ٹٹا ہے، ان صفات کو بیان کرتے ہوئے وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح بیٹھتا ہے جس طرح کوئی چارپائی پر بیٹھتا ہے اور وہ اسی طرح اترتا ہے جس طرح ہم کوئی سیرچی پر سے اترتا ہے۔۔۔ یہ شخص بزرگ خود یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو سلف صالح کا مذہب سمجھا رہا اور ان کے سامنے استواء و نزول کے معنی کی حقیقت کو ثابت کر رہا ہے حالانکہ یہ ایک حسی جلوس ہے اور اس طرح نہیں ہے جس طرح تاویل کرنے والے اس کی تاویل کرتے ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ، یہ تو عین ضلالت ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کو تشبیہ بھی دی ہے اور اس کا جسم بھی ثابت کیا۔ اس کی مثال تو ایسے ہے جیسے جوئی بھوٹے گڑھے میں گرنے سے بچنے کے لئے بھاگ کر کسی بڑے گڑھے میں جا کر سے اور پھر کسی بہت ہی دور جگہ جا کر سے۔“

اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی صابونی کو ہدایت بخشنے، اس مذکورہ کلام میں اس نے حق اور باطل کو اس طرح جمع کر دیا ہے کہ اسے ہر صاحب سنت جانتا ہے، چنانچہ مومن قارئین کرام کے لئے اس کی کچھ حب ذیل تفصیل پیش خدمت ہے۔

جہاں تک اللہ رب ذوالجلال کی ذات گرامی کے چہرہ، دونوں ہاتھوں، دونوں آنکھوں، پنڈلی اور انگلیوں کا تعلق ہے، تو یہ کتاب و سنت صحیحہ کے نصوص سے ثابت ہیں، لہذا ملتے ہیں لیکن اس طریقے سے جو اس کی ذات گرامی کے شایان شان ہے۔ نزول اور تیز چلنے کا ذکر بھی صحیح احادیث میں موجود ہے، یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمائے اور ان اوصاف کا آپ نے اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات فرمایا لیکن اس طریقے کے مطابق جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی کے شایان شان ہے اور ان کی کیفیت کو بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، لہذا صابونی کا ان صفات کا انکار کرنا گویا رسول اللہ ﷺ کا انکار کرنا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا ہے کیونکہ اس میں سے بعض صفات کا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں ذکر فرمایا ہے اور بعض دیگر کالپنے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی بتایا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنی خواہش نفس سے بات نہیں کرتے بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بارے میں آپ جو بھی بتاتے ہیں وہ وحی الہی کی روشنی میں بتاتے تھے، باقی رہا صابونی کا یہ کہنا کہ ”ان صفات کو بیان کرتے ہوئے وہ یہ کہتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ اسی طرح بیٹھتا ہے اور وہ اسی طرح اترتا ہے جس طرح ہم میں کوئی سیرچی پر سے اترتا ہے“ تاویل سنت اس سے بری ہیں کیونکہ یہ اہل سنت کا نہیں بلکہ ان مشہین کا کلام ہے، جن کو سلف صالح نے کافر قرار دیا ہے اور ان کی اس بات کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے متضاد ہے :

لَیْسَ کَیْفَ شَیْءٍ وَهُوَ فَتَحَ الْبَصِیْرُ ۝۱۱... سورۃ الشوریٰ

”اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے۔“

اسی طرح اس کے ہم معنی اور بھی بہت سی آیات ہیں، لہذا کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اہل حق یعنی اہل سنت اور مشہد اہل باطل کے کلام کو آپس میں غلط ملط کر دے اور ان میں کوئی تمیز نہ کرے بلکہ واجب یہ ہے کہ دونوں کے کلام میں فرق کرتے ہوئے تمیز کی جائے۔

(۱۱) ابو حنیفہ، ابن مابشون، مالک اور احمد بن حنبل نے سب سے پہلے اصول دین پر لکھا اور گمراہوں کی تردید کی۔

صابونی نے اپنے تیسرے مقالہ میں لکھا ہے کہ ”جس نے سب سے پہلے اصول دین پر لکھا اور اہل زیغ و ضلالت کے شبہات کی تردید کی وہ ابو الحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی ہیں۔“

یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ ان دونوں سے پہلے اس موضوع پر لکھنے والوں میں

امام ابو حنیفہ، امام عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ مابشون، امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ امام احمد بن حنبل، امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ، امام عثمان بن سعید دارمی۔۔۔ جنہوں نے مریسی کی تردید میں لکھا۔۔۔ امام عبدالعزیز کنانی صاحب الحیدۃ اور دیگر بے شمار ائمہ کرام ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(۱۲) سلف کا ایک ہی مذہب ہے اور وہی مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے۔ تفویض سلف کا مذہب نہیں ہے

اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے صابونی نے اپنے تیسرے مقالہ میں دوبارہ پھر یہ لکھا ہے کہ ”سلف کے دو مذہب ہیں، ایک مذہب اہل تفویض کا ہے اور دوسرا اہل تاویل کا۔۔۔ آگے مزید لکھتے ہیں کہ بعض مذہب سلف کو فضیلت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں سلامتی کا پہلو زیادہ ہے جب کہ بعض دوسرے لوگ مذہب غلت کو افضل قرار دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اس میں صحت و درستی کا پہلو غالب ہے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ صابونی صاحب کی یہ تقسیم بالکل باطل ہے کیونکہ سفل کا صرف ایک ہی مذہب ہے، یہی مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا مذہب ہے اور یہی مذہب سلامتی والا بھی ہے، زیادہ علم اور زیادہ صحت و درستی کا حامل بھی اور دوسرا مذہب جو غلت کا مذہب ہے وہ مذہب ہے کیونکہ یہ اہل تاویل و تحریف و تکلف کا مذہب ہے۔ لیکن غلت کے مذہب کی مذمت اور اس سے بچنے کی تلقین کے یہ

معنی نہیں کہ غلط کافر ہیں کیونکہ تکفیر کے لئے ایک دوسرا حکم ہے جو اس بات پر مبنی ہے کہ اس شخص کا قول کیا ہے، اس میں باطل کا عنصر کتنا ہے اور اس میں حق کی مخالفت کا پہلو کس قدر ہے؟ لہذا یہ کہنا جائز نہیں کہ مذہب غلط کی مذمت اور اشاعرہ کی چند صفات کے سوا دیگر تمام صفات کی تاویل و تخریص کرنے کی وجہ سے ان کے نظریات کے انکار سے یہ لازم آتا ہے کہ ہم انہیں کافر قرار دے رہے ہیں بلکہ اس سے ہمارا مقصود صرف یہ بیان کرنا ہے کہ انہوں نے اہل سنت کی مخالفت کی ہے اور صفات باری تعالیٰ کی تاویل کی جو روش اختیار کی ہے، یہ باطل ہے اور صحیح مذہب سلف صالح یعنی اہل سنت و الجماعت ہی کا ہے کہ صفات سے متعلق آیات و احادیث کو مانا جائے اور یہ اسماء و صفات جن امور پر دلالت کرتی ہیں، ان کو کسی قسم کی تخریص، تعطیل و تاویل، تکلیف اور تمثیل وغیرہ کے بغیر اسی طرح مانا جائے جس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی کے شایان شان ہے جیسا کہ پہلے بھی اسے کئی بار بیان کیا جا چکا ہے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو!

صابونی نے یہاں امام بیہقی کے قول کا حوالہ دیا ہے اور اس کے بارے میں قبل ازیں ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ غلطی کی وجہ سے اہل بدعت کے کچھ الفاظ کو انہوں نے صحیح سمجھتے ہوئے اپنی کتاب میں داخل کر دیا اور پھر امام بیہقی کا تعلق بھی علم کلام میں دلچسپی رکھنے والوں میں تھا، اس لئے علم کلام کی بعض خرابیاں ان کے اعتقاد میں شامل ہو گئی تھیں، اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے اور انہیں معاف فرمائے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی اس فرگرداشت پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ، ج ۶، ص ۵۳ پر فرمایا ہے۔

(۱۳) اہل سنت و الجماعت صفات باری کی تاویل کے قائل نہیں، بعض لوگوں نے ان کے کلام کو جو تاویل کہا ہے تو وہ درحقیقت عربی زبان کے مطابق کلام اللہ کی تفسیر ہے۔

پھر صابونی نے اپنے تیسرے مقالہ میں یہ بھی کہا ہے، کو شخص یہ گمان نہ کرے کہ ہم مذہب غلط کو مذہب سلف پر ترجیح دے رہے ہیں، ہم علماء کلام کی اس رائے کو بھی صحیح نہیں سمجھتے کہ ”مذہب سلف میں سلامتی کا پہلو زیادہ ہے جب کہ مذہب غلط میں صحت و درستی کا پہلو غالب ہے۔“ بلکہ ہم ایمان و یقین کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ مذہب سلف ہی سلامتی اور صحت و درستی کا حامل ہے لہذا ہم صفات خالق جل علا کی تاویل کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ ہم ان پر اسی طرح ایمان لائیں جس طرح یہ وارد ہیں تشبیہ و تجسیم کی نفی کرتے ہوئے، جس طرح یہ وارد ہیں، ہم اسی طرح ان کا اقرار کریں گے پھر انہوں نے کسی شاعر کے اس مصرعہ سے بھی استشہاد کیا ہے کہ ر

«ان المنوفن سلم مما عطف المول»

”سپر د کرنے والا اس تکلف سے بچ جاتا ہے جس کا تاویل کرنے والا ارتکاب کرتا ہے۔“

لیکن آگے چل کر صابونی لکھتے ہیں کہ اگر صفات کی تاویل کرنے والا گمراہ ہے تو پھر ہمیں ان تمام سلف صالح کو گمراہ قرار دے دینے چاہئے جنہوں نے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ :

ما یحون من نوحیٰ یخبرنا لا یخبرنا ولا یمضیٰ الا بنو سادہم ۷ ... سورة المجادلہ

” (کسی جگہ) تین (آدمیوں) کا کانوں میں صلاح و مشورہ نہیں ہوتا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے۔“

کی تاویل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے علم کے ساتھ ہوتا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ :

وہو معکم لعل ما کنتم ۴ ... سورة الحديد

”تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔“

کی تاویل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس معیت سے مراد معیت علم ہے تاکہ تعدد ذات لازم نہ آئے، اسی طرح ہم حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی گمراہ قرار دیں گے کہ انہوں نے ارشاد باری تعالیٰ :

وَنَحْنُ اقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ خَلْقِ الْاَوْنِ ۱۵ ... سورة الواقعة

”اور ہم اس (مرنے والے) سے تمہاری نسبت قریب تر ہوتے ہیں لیکن تم کو نظر نہیں آتے۔“

کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے فرشتے مرنے والے سے تم سے بھی قریب ہوتے ہیں لیکن تم اس کو دیکھ نہیں سکتے، اسی طرح انہوں نے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ :

وَنَحْنُ اقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ خَلْقِ الْاَوْنِ ۱۶ ... سورة ق

”اور ہم اس کی رگ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔“

کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے فرشتے انسان کی رگ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں کیونکہ حلول و اتحاد سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور اس کی نفی پر اجماع ہے۔۔۔۔۔ صابونی آگے لکھتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ تاویل کبھی وجہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث صبح میں ہے کہ ”حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔“ یا جیسا کہ اس نے شتی نوح کے بارے میں فرمایا ہے کہ :

وَعَلَّیْ عَلٰی ذَاتِ الْوَجْهِ وَذُنْرُ ۱۳ خمریٰ بِعَیْنِہِ اَنْہُ لَمْ یَمُتْ ۱۴ ... سورة القمر

”اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو تھنوں اور مینوں سے تیار کی گئی تھی، سوار کر لیا، وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اس شخص کے انتقام کے لئے کیا گیا جس کو کافر ملتے تھے۔“

اس کے جواب میں ہم صابونی سے یہ کہیں گے کہ آپ نے بہت لہجہ کیا کہ سلف صالح کے مذہب اور اعتقاد کو اختیار کر لیا کہ وہی اسلام و حکم ہے لیکن آپ اس پر ثابت قدم نہیں رہے کہ کبھی تو آپ مذہب تاویل کو اختیار کرتے ہیں اور کبھی مذہب تفسیر کی طرف مائل ہوجاتے ہیں جب کہ ایک مرد مومن کئے واجب یہ ہے کہ وہ حق پر ثابت قدم رہے اور اس کے پایہ استقامت میں لغزش نہ آئے۔ آپ نے جو سلف کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ وہ وَهُوَ مُحْكَمٌ کی علم سے تاویل کرتے ہیں تو درحقیقت یہ تاویل نہیں بلکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک آیات معیت کے معنی یہ ہیں جیسا کہ امام ابو عمر بن عبد البر اور ابو عمر طلمنکی نے کہا کہ اس پر اہل سنت کا اجماع ہے کیونکہ کتاب و سنت کے ان نصوص کا یہی تقاضا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علو، فوقیت اور طول و اتحاد سے پاک ہونے پر دلالت کناں ہیں، جو شخص بھی ان آیات پر غور کرے گا تو اسے یہ بات معلوم ہوجائے گی کہ معیت سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے حالات اور ان کے امور و معاملات کا علم ہے جب کہ معیت خاصہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو اپنی تائید و حمایت سے نوازتا ہے جب کہ اسے ان کے حالات کا علم بھی ہوتا ہے اور فتح و نصرت سے نوازتا ہے جب کہ وہ ان کے تمام امور و معاملات سے مطلع بھی ہوتا ہے۔ عرب جن کی زبانوں میں کتاب و سنت کا نزول ہوا، وہ ان معنوں کو جانتے ہیں اور اس سلسلہ میں انہیں کوئی شک و شبہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان آیات کے معنی اس قدر واضح تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان آیات کے معنی پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی، اسی طرح ہمیں دیگر نصوص کی تاویل کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے معنی بے حد روشن اور ظاہر ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ

خَبْرِي بَاغَيْنَا، وَنُفَضِّنُ عَلَىٰ عَيْنِي اور وَاضْهِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَابْتَغِنَا کے بارے میں کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ کشتی

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی آنکھ کے ساتھ چلتی تھی اور نہ یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کی آنکھوں میں تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کشتی اللہ تعالیٰ کی نگہداشت، عنایت، تسخیر اور حفاظت میں چلتی تھی اور حضرت محمد ﷺ اپنے مولا کی عنایت، حفاظت اور نگہداشت میں تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ وَنُفَضِّنُ عَلَىٰ عَيْنَيْتُو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ تاکہ تم میری نگہداشت و حفاظت میں پرورش پاؤ، اسی طرح حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ ”میں اپنے بندے کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔“ تو ان کی تفسیر ایک دوسری روایت کے ان الفاظ سے ہوجاتی ہے کہ ”وہ میرے لئے سنتا، میرے لئے دیکھتا، میرے لئے پکڑتا اور میرے لئے چلتا ہے۔“ جس شخص کو عربی زبان میں ادنیٰ سی بصیرت بھی حاصل ہو وہ یہ گمان نہیں کر سکتا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ انسان کا کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک، بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے لہذا اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو، اس کی اطاعت اور اس کے حق کے لئے قیام کے باعث یہ توفیق عطا فرمادیتا ہے کہ ان کے افعال و حرکات صحیح ہوتے ہیں، اسی طرح دیگر احادیث کے بھی یہی معنی ہیں۔ باقی رہی یہ حدیث کہ ”حجر اسود اللہ تعالیٰ کا داہاں ہاتھ ہے۔“ تو یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ مرفوع نہیں بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت ہے لیکن مرفوع ہوا موقوف اس کے معنی ظاہر ہیں جیسا کہ خود اس حدیث ہی میں یہ وضاحت ہے کہ جس نے حجر اسود کو بوسہ دیا اس نے گویا اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کیا اور اس کے داہیں ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حجر اسود اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ نہیں ہے بلکہ اسے ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کی ترغیب کے پیش نظر تشبیہ یوں دی گئی ہے کہ اسے ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے والا اس شخص کی مانند ہے جو اللہ کے ہاتھ سے مصافحہ کر کے گویا اسے بوسہ دے رہا ہو۔

اسی طرح صحیح حدیث میں اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے کہ وہ اپنے بندے سے یہ فرمائے گا کہ ”میں بیمار ہوا مگر تو نے میری عیادت نہ کی۔“ تو اس حدیث ہی میں اس کے معنی کی اس طرح وضاحت موجود ہے کہ ”کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ اگر تو میرے فلاں بیمار بندے کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس موجود پتا اور اگر تو اس بھوکے کو کھانا کھلاتا تو مجھے بھی اس کے پاس پتا۔“ تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بیمار ہوتا ہے نہ بھوکا، لہذا اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مریض کی بیمار پرسی اور بھوکے کو کھانا کھلانے کی ترغیب دے رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ خَلْقِ الْوَرِيدِ ۝۱۶ ... سورۃ ق

”اور ہم اس کی رگ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔“

نیز فرمایا :

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ خَلْقِ الْوَرِيدِ ۝۱۷ ... سورۃ الواقعة

”اور ہم اس (مرنے والے) سے تمہاری نسبت قریب تر ہوتے ہیں۔“

کی ایک جماعت نے یہی تفسیر کی ہے کہ اس سے فرشتوں کا قرب مراد ہے کیونکہ بوقت موت فرشتوں کا بندے کے قریب آنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم، اس کی تقدیر اور اپنے بندوں کی نگہداشت کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ کچھ دیگر لوگوں نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اس سے سبحانہ و تعالیٰ کا قرب مراد ہے جو اس کے علم، اس کی قدرت اور اس کے اپنے بندوں کے احاطہ کی صورت میں ہے یعنی یہاں قرب کے معنی وہی ہیں جو معیت کے ہیں کہ وہ اپنے عابد و سالک بندوں کے قریب ہے حالانکہ وہ ذات گرامی علو و فوقیت کی صفات سے متصف ہے۔ اس قرب سے مراد طول و اتحاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس سے پاک ہے کیونکہ کتاب و سنت کے قطعی دلائل سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ و تعالیٰ عرش پر ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے، مخلوق سے بلند ہے لیکن اس کا علم ہر جگہ ہے، جو شخص نصوص کتاب و سنت پر غور کرے اور بعض کی بعض سے تفسیر کرے تو اس کے سامنے معنی واضح ہوجائیں گے اور اسے کسی تاویل کی ضرورت نہ ہوگی

ابو جعفر بن جریر طبری نے سورہ ق کی آیات کی تفسیر میں دوسرا قول اور سورہ واقعہ کی آیت میں پہلا قول پسند کیا ہے، اہل سنت نے نصوص صفات کی تاویل کرنے والے کا انکار کیا اور اسے بدعتی قرار دیا ہے کیونکہ ان کی تاویل کرنے سے کئی قسم کی باطل باتیں لازم آتی ہیں۔ کلمات الہی کی تحریف لازم آتی ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات کمال کی نفی لازم آتی ہے اور اس کے بارے میں یہ سوء ظن پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو لیے کلام سے مخاطب کیا ہے جو بظاہر تشبیہ و تمثیل پر مبنی ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد کچھ اور ہے، یہی وہ تاویل مذموم ہے جسے اہل کلام نے اختیار کیا مگر اہل سنت نے ان کا انکار کرتے ہوئے اس مسئلہ میں انہیں گمراہ قرار دیا کیونکہ انہوں نے ظاہری معنی کے خلاف نصوص کی تاویل کی اور اس حق سے جس پر یہ دلالت کناں تھیں، انہیں پھیر دیا اور پھر اس سلسلہ میں ان کے پاس کتاب و سنت سے کوئی دلیل و برہان بھی نہیں، یہ انہوں نے محض اپنی عقلوں اور ان آراء کی بنیاد پر کیا جن کے بارے میں

اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل و برہان نازل نہیں فرمائی اور پھر اہلسنت نے ان کے انکار و آراء سے ان کے سامنے یہ بھی ثابت کیا کہ جس چیز سے یہ تاویل کرتے ہوئے راہ فرار اختیار کر رہے تھے، اسی چیز کو انہوں نے اختیار بھی کیا۔ بات یہ ہے کہ بلاشبک و شبہ متناقض و تضاد سے صرف وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو فحی و اشبات کے سلسلہ میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات پر اکتفا کرے اور وہ اہلسنت و الجماعت ہیں۔ واللہ المستعان۔

(۱۴) مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کے وجوب سے یہ لازم نہیں آتا کہ فعل و عقیدہ کا بھی انکار نہ کریں

لےنے جوتھے مقالہ میں شیخ صالحی نے یہ دعوت دی ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اتفاق و اتحاد ہونا چاہئے، دشمنان اسلام کے خلاف سب کی متفقہ کوششیں ہونی چاہئیں اور پھر یہ ذکر کیا ہے کہ یہ وقت مختلف مذاہب کے پیروکاروں، اشرعیوں، انوائیوں حتیٰ کہ صوفیوں کی مخالفت کا وقت نہیں ہے۔

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ لادب! مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں، حق پر سب لکھے ہو جائیں اور دشمنان اسلام کے خلاف نیکی و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے کہ :

وَأَحْضُوا حُبْلَ اللَّهِ خَيْرًا وَلَا تَفْرَقُوا ... ۱۰۳ ... سورۃ آل عمران

”اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو اور باہمی اختلاف سے بچو۔“

اور تفرقہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا :

وَلَا تَحْزَنُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَيْنِ مَا جَاءَ بِكُمْ الْبَيِّنَاتِ ... ۱۰۵ ... سورۃ آل عمران

”اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور واضح احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔“

لیکن مسلمانوں کے اتحاد، حق پر اتفاق اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کے وجوب سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صوفیہ اور دیگر لوگوں کے منکر فعل اور عقیدہ کا بھی انکار نہ کریں بلکہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کے حکم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیں، برائی سے منع کریں اور اس شخص کے سامنے حق کو واضح کریں، جو حق کو ظن یا اس کے خلاف کو صیغہ گمان کرے اور اسے شرعی دلائل کی روشنی میں واضح کریں تاکہ سب لوگ حق پر متفق ہو جائیں اور خلاف حق کو چھوڑ دیں اور یہی تقاضا ہے حسب ذیل

ارشاد باری تعالیٰ کا :

وَقَاتِلُوا عَلَى الدِّينِ وَلَا تَتَّبِعُوا عَلَى الْإِثْمِ وَاللَّهُ دِينُ الْحَقِّ ... ۲ ... سورۃ المائدۃ

”اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔“

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَلَكِنْ مِمَّنْ مَّتَّبِعَ هَوَا بَنِي الْإِنْسِ فَإِنَّ هَوَا بَنِي الْإِنْسِ بِالْغَرَفِ وَالْمَعْرِفِ وَبَنِي عَمِ الْمُنْجَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُظْلَمُونَ ... ۱۰۴ ... سورۃ آل عمران

”اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور لچے کام کرنے کا حکم دے اور برے کام سے منع کرے، یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔“

اہل حق اگر غلطی کرنے والوں کی غلطیوں خطا کاروں کی خطاوں کو بیان کرنے سے سکوت اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جو نیکی کی طرف بلائے، لچے کام کرنے کا حکم دینے اور برے کاموں سے منع کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی اطاعت نہ کر سکیں گے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اگر انسان انکار سے منکر سے سکوت اختیار کر لے، غلطی کرنے والے کو نہ سمجھائے اور حق کی مخالفت کرنے والے کو نہ بتائے تو اس کے کس قدر خوفناک نتائج مرتب ہوتے ہیں نیز یہ خاموشی اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے بھی خلاف ہوگی جو اس نے بہرہ رومی و خیر خواہی کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے نوازے !

(۱۵) صفات میں تفویض و تاویل مذہب سلفت نہیں

صاحبو نے لےنے پانچویں مقالہ میں لکھا ہے کہ ”سلف صالح جن کے بارے میں صفات باری کے موضوع کے حوالہ سے ہم نے لےنے سابقہ مقالات میں گفتگو کی ہے، ان کا مذہب تفویض مطلق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے بلکہ ان کا ایک دوسرا مذہب ہے جو نظر ثانی اور انصوص کتاب و سنت کے فہم سلیم و مستقیم پر دلالت کرتا ہے۔ اس مسلک و منہج کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

اولا : جن آیات اور احادیث صفات کی تاویل کے بغیر چارہ کار نہ ہوا ان کی تاویل کر لی جائے بشرطیکہ لغوی، شرعی یا اعتقادی اسباب کی وجہ سے اس تاویل میں کوئی کاوٹ نہ ہو

ثانیا : قرآن کریم اور سنت مطہرہ نے اللہ جل و علا کی جن صفات مثلاً سمع، بصر، کلام، محبت، رضا، استواء، نزول، امتیان و محبتی (آتما) وغیرہ کو ثابت کیا ہے ان پر تشبیہ یا تعطیل یا تجسیم یا تمثیل کے بغیر بطریق تسلیم و تفویض، اللہ تعالیٰ کی مراد کے مطابق ایمان لایا جائے۔“

شایان شان ہو جیسا کہ اسے پہلے کئی مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس طرح تجسیم کی نفی یا اثبات بھی سلف کا مذہب نہیں ہے کیونکہ اس کا لٹنا یوسنت میں ذکر ہے نہ سلف امت کے کلام میں جیسا کہ کئی ایک ائمہ نے اسے بیان فرمایا ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "التدریج" میں جھٹے قاعدہ کے تحت رقم طراز ہیں کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ کی نفی کے ساتھ وصف بیان کرتا ہے تو اس کی تردید کے لئے یہ طریقہ ایک فاسد طریقہ ہے، سلف یا ائمہ میں سے کسی نے اس طریقہ کو اختیار نہیں کیا اور نہ ان میں سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے لئے جسم یا جوہر یا تمیز (کسی ایک جگہ ہی منحصر ہونا) کا لفظ نفیایا اثبات استعمال کیا ہے کیونکہ یہ مجمل الفاظ ہیں، ان سے حق ثابت ہوتا ہے نہ باطل کی نفی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یهود اور دیگر کفار کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ کلام کا یہ ایک بدعی انداز ہے سلف اور ائمہ نے اس اسلوب کلام کو اختیار کرنے سے انکار فرمایا ہے۔"

کتاب وسنت سے اللہ تعالیٰ کے جس قدر بھی اسماء وصفات ثابت ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی تاویل کرنا واجب ہو بلکہ نصوص سے تو وہ اسماء صفات ثابت ہیں جو اس معنی مراد پر دلالت کناں ہیں جس کا اثبات اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کئے لئے اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کے لائق ہے اور اس بات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کی کوئی ایسی تاویل کی جائے جو ظاہر کلام کے خلاف ہو، البتہ ان صفات کی کیفیت کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے گا جیسا کہ ائمہ سنت کے ارشادات کے حوالہ سے قبل ارشاد ہیں اسی سے بیان کیا جا چکا ہے۔

صابونی کو اللہ تعالیٰ ہدایت و توفیق بخشنے، انہوں نے اپنے پانچویں مقالہ میں لکھا ہے ”میں اپنے سلفی بھائیوں کے لئے اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنی گردنوں پر امت کو گمراہ قرار دینے اور ان اہل فتنہ وحدیث وتفسیر ائمہ اسلام کی تکفیر کا یوچھ اٹھائیں جو اشاعرہ کے مذہب پرستے، اگر ہم مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیں اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی شارح بخاری جسی شخصیتوں کو بھی گمراہ قرار دیں تو ہمیں اس سے کیا حاصل۔۔۔۔۔ شیخ صابونی نے یہاں کچھ اور حضرات کے نام بھی لئے اور لکھا ہے کہ یہ جلیل القدر ائمہ امام اشعری کے مذہب پرستے۔۔۔۔۔ الخ۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ سلفی اہل علم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو انہ کرام کو جن کا آپ نے ذکر کیا ہے، کا فر قرار دیتا ہو یا البتہ سلفی اہل علم، بہت سی صفات کے بارے میں تاویل کی جو غلطی یہ کرتے ہیں، اسے ضرور واضح کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ تاویل کرنا سلف امت کے مذہب کے خلاف ہے اور یہ ان انہ کی تخریج ہے نہ امت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا ہے، بلکہ یہ تو اللہ کے دین اور اس کے بندوں کی ہمدردی و خیر خواہی ہے، حق کا بیان ہے، دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ مخالفین حق کی تردید ہے، اس فریضہ کی ادائیگی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حق کے بیان کرنے اور اسے نہ چھپانے کے بارے میں علماء پر فرض قرار دیا ہے اور یہ تو دعوت الی اللہ اور اس کی راہ کی طرف رہنمائی ہے اگر اہل حق، حق کو بیان کرنے میں خاموشی اختیار کر لیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خطا کار اپنی خطاوں ہی کو اختیار کئے رکھیں گے، دوسرے لوگ ان کی تقلید کریں گے اور اس بوجھ کو اٹھانے کے ذمہ دار قرار دیں گے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے حسب ذیل ارشاد میں ذکر فرمایا ہے :

”جو لوگ ہمارے حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے بھجپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے لئے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں اور اپنی حالت درست کر لیتے ہیں اور (احکام الہی کو) صاف صاف بیان کر دیتے ہیں ان کے قصور معاف کر دیتے ہیں اور میں بڑا معاف کرنے والا (اور) رحم والا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے علماء اہل کتاب سے یہ عہدِ ایمان لیا تھا کہ وہ دین کو لوگوں کے سامنے نہ رکھوں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں مگر اس عہدِ ایمان کو توڑ دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے سے منع فرمایا ہے۔

اگر اہل سنت بھی ان لوگوں کی غلطیوں کی نشاندہی نہ کریں جو کتاب و سنت کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر تو یہ بھی مغضوب اور گمراہ اہل کتاب کی طرح ہو جائیں گے پھر ہم برادر صابونی کی خدمت میں یہ بھی گزارش کریں گے کہ علماء اشاعرہ والحنابلین اشعری کے متبع نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے صفات کی تاویل سے رجوع کر کے اہل سنت والجماعت کے اس مذہب کو اختیار کر لیا تھا کہ اسماء و صفات کو تحریف، تخطی، تکلیف اور تمثیل کے بغیر اسی طرح ثابت مانا جائے جس طرح یہ وارد ہیں۔ حاکم انہوں نے اپنی دونوں کتابوں ”الابانۃ“ اور ”المقتل“ میں اسے واضح فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام اشعری کی طرف سے آپ کو منسوب کرنے والا جو شخص صفات کی تاویل کرے وہ ان کے جدید مذہب پر نہیں بلکہ قدیم مذہب پر ہے اور یہ سب جلتے ہیں کہ ایک عالم کا مذہب وہ ہوتا ہے، جس کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کا انتقال ہوا، جو اس سے پہلے کہا ہوا اور جس سے اس نے رجوع کر لیا ہو، وہ اس کا مذہب نہیں ہوتا، اس سے خبر دار رہتے اور ہر بات سے اجتناب کیجئے جس سے امور و معاملات میں اختلاط رونما ہو یا وہ اپنی مناسب جگہ پر نہ رہیں۔ (اللہ بھاراحامی و ناصر ہو۔)

(۱۷) صابونی جسے سلف کی تاویل سمجھتے ہیں اس کی حقیقت۔

صالیونی نے اپنے اس چھٹے مقالہ میں یہ کہا ہے کہ جس کا آغاز انہوں نے ہذا بیان لئاس ”یہ لوگوں کے لئے بیان ہے۔“ کے الفاظ سے کیا ہے کہ بعض آیات واحادیث صفات کی تاویل کرنے سے ایک مسلمان، جماعت اہل سنت کے دائرہ سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ ان میں سے کسی کی تاویل کرنا غلط ہے اور کسی کی تاویل کرنا صحیح ہے۔ کئی ایسی آیات ہیں جن کی صحابہ و تابعین اور علماء سلف نے تاویل کی لیکن کوئی شخص یہ جرات نہیں کر سکتا کہ انہیں گمراہ یا اہل سنت و الجماعت سے خارج قرار دے، پھر صالیونی نے اس سلسلہ میں کئی مثالیں دیں، جن میں سے ایک مثال حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے کہ :

نُورُ اللّٰهِ قَدِیْمٌ ۝۱۷ ... سورۃ التوبہ

”انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔“

اسی طرح اس کی مثال کے طور پر صالیونی نے ان آیات کا حوالہ دیا ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ استہزاء کرنے والوں کے ساتھ ہنسی کرتا ہے، مومنوں کا مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور مکر کرنے والوں کے ساتھ مکر کرتا ہے، اسی طرح انہوں نے بطور مثال یہ حدیث بھی پیش کی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ”میں بیمار ہوا لیکن تو نے میری عیادت نہ کی، میں بھوکا تھا لیکن تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔“ صالیونی لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ مذہب سلف میں تاویل کی مطلقاً گنجائش نہیں ہے بلکہ مذہب سلف بھی یہ ہے کہ جہاں تاویل کے بغیر اور کوئی چارہ کار ہی نہ ہو، وہاں تاویل کر لی جائے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام کچھ تفصیل کا متقاضی ہے کیونکہ اس میں کچھ باتیں حق ہیں اور کچھ باطل، چنانچہ صالیونی کا یہ کہنا کہ بعض صفات کی تاویل سے ایک مسلمان، جماعت اہل سنت سے خارج نہیں ہو جاتا، فی الجملہ صحیح ہے کیونکہ اشاعرہ کی طرح بعض صفات کی تاویل کرنے والا مسلمانوں کی جماعت سے خارج نہیں اور نہ غیر صفات میں وہ جماعت اہلسنت سے خارج ہے لیکن اثبات صفات اور انکار تاویل کے وقت ایسا شخص اہل سنت میں داخل نہیں ہوگا مثلاً اشاعرہ اور ان جیسے دیگر لوگوں نے اثبات صفات کے مسئلہ میں اہل سنت کی مخالفت کی ہے اور ان کے راستے کو انہوں نے اختیار نہیں کیا لہذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ تاویل صفات کے باب میں ان کے موقف کو صحیح ماننے سے انکار کر دیا جائے اور ان کی غلطی کو واضح کرتے ہوئے یہ بتایا جائے کہ یہ موقف اہل سنت کے موقف کے خلاف ہے جیسا کہ اس مقالہ کے شروع میں بھی اس کا بیان گزر چکا ہے لہذا اس بات میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ اشاعرہ باب اسماء وصفات میں اہل سنت میں سے نہیں ہیں اگرچہ دیگر ابواب میں یہ اہل سنت میں سے ہیں تاکہ ان کے مذہب کا مطالعہ کرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ بعض صفات کی تاویل میں انہوں نے غلطی کی ہے اور اس مسئلہ میں انہوں نے حضرات صحابہ و تابعین کی مخالفت کی ہے، ایسا کرنا اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ حق کا اثبات اور باطل کی نفی ہو اور اہل سنت و اشاعرہ میں سے ہر ایک کو وہ مقام و مرتبہ دیا جائے جس کے وہ مستحق ہیں۔

یہ مطلقاً جائز نہیں ہے کہ تاویل کو اہل سنت کی طرف منسوب کیا جائے کیونکہ تاویل تو ان کے مذہب کے خلاف ہے لہذا تاویل کو اشاعرہ اور دیگر تمام اہل سنت کی طرف منسوب کیا جائے گا جنہوں نے نصوص کی ناجائز طور پر تاویل کی ہے۔

اہل سنت کی تاویل کے سلسلہ میں برادر صالیونی نے جو مثالیں پیش کی ہیں، یہ ان کی دلیل نہیں بن سکتیں کیونکہ اہل سنت کا یہ کلام باب تاویل میں سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تو معنی کی وضاحت اور معنی کے بارے میں لوگوں کے شکوک و شبہات کے ازالہ سے ہے، چنانچہ ان کی پیش کردہ مثالوں کا مفصل جواب حسب ذیل ہے،

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ :

نُورُ اللّٰهِ قَدِیْمٌ ۝۱۷ ... سورۃ التوبہ

”انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔“

میں نسیان سے مراد وہ نسیان نہیں ہے جو حسب ذیل ارشاد باری میں مراد ہے :

فَاَكَانَ نَكْتًا ۝۱۶ ... سورۃ مریم

”اور تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں۔“

اور جو حسب ذیل میں مراد ہے :

فِي كِتَابٍ لَا يَذِلُّ رَبِّي وَلَا يَغْنَى ۝۵۲ ... سورۃ طہ

”جو کتاب میں (لکھا ہوا ہے) میرا پروردگار چھوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔“

بلکہ یہ نسیان جس کی نفی کی جا رہی ہے، اس کے اور معنی ہیں اور وہ نسیان جس کا ارشاد باری تعالیٰ :

نُورُ اللّٰهِ قَدِیْمٌ ۝۱۷ ... سورۃ التوبہ

”انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔“

میں اثبات ہے، اس کے اور معنی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی ضلالت میں پھوڑ رکھا ہے اور ان سے اعراض فرما رکھا ہے کیونکہ انہوں نے اس کے اوامر کو ترک کر رکھا ہے اور اپنے نفاق اور تکذیب کی وجہ سے اس کے دین سے اعراض کر رکھا ہے اور جس نسیان کی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کے حوالہ سے نفی کی ہے، یہ ذہول و غفلت کے معنی میں ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ اپنے کمال علم ملنے بندوں کے حالات کے بارے میں کمال

بصیرت اور ان کے تمام امور و معاملات کے احاطہ کی وجہ سے پاک ہے، وہ زندہ ہے، ہمیشہ رہنے والا کہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند، وہ بھولتا ہے نہ نفاق، ان عیوب و نقائص سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ارشاد باری تعالیٰ :

الرَّيْهَنُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْهُ يُكَفِّرُونَ عَنْ غَنَائِهِمْ لَوْلَا رِزْقُ اللَّهِ لَهُمْ لَبَطَلُ خِمْ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ عَنْ عُرْوَتِهَا أُولَئِكَ يَنْفَكُونَ عَنْهَا كَأَنَّ فَيْسُومًا
١٧ ... سورة التوبة

”منافی مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس (یعنی ایک ہی طرح کے) ہیں، برے کام کرنے کو کہتے اور نیک کاموں سے منع کرتے اور (خرچ کرنے سے) ہاتھ بندھ رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔“

میں نسیان کی تفسیر میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی خطاات میں پھونڈ دیا، بناوئل نہیں بلکہ یہ تو لغوی معنی کے اعتبار سے اس مقام کی تفسیر ہے کیونکہ لفظ نسیان کے اس استعمال کے اعتبار سے معنی مختلف ہیں جیسا کہ علماء تفسیر نے بیان فرمایا ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ﴿نَسُوا اللہَ﴾ یعنی ”وہ اللہ کے ذکر کو بھول گئے۔“ **”فقیہ مئم“** تواللہ تعالیٰ نے ان سے اس طرح معاملہ کیا جیسے وہ ان کو بھول گیا ہو، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَفِثُكُمْ كَمَا نَفِثْنَا لَكُمْ فِيهِ يَوْمَ تَبَايَعْتُمْ ۖ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْإِسْلَامَ فَاسْتَأْذِنُوا بَلَدَكُمْ ۖ فَيُؤْذِنُوا كُنْزَكُمْ وَالَّذِينَ طَرَفْتُمْ فِي الْمَكَّةِ طَرَفًا ۚ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۚ

”اور کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے اس دن کے آنے کو بلا رکھا تھا، اسی طرح آج ہم تمہیں تمہیں بلا دیں گے۔“

اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو یہ ذکر فرمایا ہے کہ وہ استہزاء کرنے والوں کے ساتھ استہزاء کرتا ہے، مذاق کرنے والوں کے ساتھ مذاق کرتا ہے، مکر کرنے والوں کے ساتھ مکر کرتا ہے، فریب کرنے والوں کو فریب دیتا ہے، تو اس کے لئے کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے عمل کے مطابق معاملہ کرتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کا مذاق کرنے والوں سے مذاق حق ہے نیز مکر کرنے والوں سے فریب حق ہے تو اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ان الفاظ کا جو استعمال ہوا ہے، تو یہ اس طریقہ سے ہے جو اس کی عظمت و جلالت کے لائق ہو اور مخلوق سے جس کی مشابہت نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے تو ان افعال کو حق کے خلاف عناد، کفر اور انکار کی خاطر کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے افعال کے مطابق معاملہ کیا لیکن اس طرح نہیں کہ ان کے افعال سے اس کی مشابہت ہو بلکہ اس طرح کہ اس کی کیفیت کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اور کوئی جانتا ہی نہیں ہے اور پھر اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان سے فریب، مکر، مذاق اور استہزاء کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس نے ان کو مہلت دے رکھی ہے اور انہیں وہ فوراً سزا نہیں دے رہا، اسی طرح اس کی صورت یہ بھی ہے کہ وہ قیامت کے دن منافقوں کے لئے کچھ نور کو ظاہر کرے گا لیکن پھر ان سے اس نور کو سلب کر لے گا جیسا کہ اس نے سورہ حدید میں اس کا اس طرح ذکر فرمایا ہے :

[illegible]

”اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف نظر (شفقت) کیجئے کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کو لوٹ جائے اور (وہاں) نور تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جو اس کی جانب اندرونی ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو جانب بیرونی ہے اس طرف عذاب، تو منافق لوگ مومنوں سے کہیں گے کہ کیا ہم (دنیا میں) تمہارے ساتھ نہ تھے! وہ کہیں گے کیوں نہیں تھے، لیکن تم نے خود پہلے آپ کو فتنے میں ڈالا اور (ہمارے حق میں) حوادث کے منتظر رہے اور (اسلام میں) شک کیا اور (الاطائل) آرزوؤں نے تم کو دھوکا دیا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپ پہنچا اور اللہ کے بارے میں دغا باز تم کو دغا دیتا رہا۔ تو آج تم سے معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور (وہ) کافروں سے ہی (قبول کیا جائے گا) تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے (کہ) وہی تمہارے لائق ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے“

اہل سنت کے علماء تفسیر نے یہی معنی بیان فرمائے ہیں، چنانچہ امام ابن جریرؒ نے ارشاد باری تعالیٰ:

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ١٥ ... سورة البقرة

”ان (منافقوں) سے اللہ ہنسی کرتا ہے۔“

کی تفسیر کے بارے میں علماء کے اقوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے نزدیک صحیح قول اور صحیح تفسیر یہ ہے کہ عربی زبان میں استہزاء کے معنی یہ ہیں کہ استہزاء کرنے والا اس کے سامنے جس سے استہزاء کیا جا رہا ہو ایسے قول و فعل کو ظاہر ہی طور پر اسے خوش کر دے لیکن باطنی طور پر اپنی طرف اور اپنے فعل سے وہ اسے درحقیقت غم پہنچا رہا ہو اسی طرح خداع (دھوکا) سخریہ (مذاق) اور مکر (فریب) کے معنی بھی یہی ہیں کہ جب ان لوگوں نے یہ طرز عمل کیا تو ان کے ساتھ معاملہ بھی اسی طرح کا کیا گیا یعنی جب منافقوں نے اپنی زبانوں سے بظاہر یہ تاثر دیا کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور جو دین وہ (رسول) لائے ہیں اسے تسلیم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بظاہر مسلمانوں میں شمار کیا اگرچہ باطنی طور پر وہ ان سچے مسلمانوں میں شمار نہ تھے جنہوں نے اپنی زبانوں، ضمیروں، دلوں کی اتھاہ گاریوں سے اور صبح ارادوں کے ساتھ اقرار کیا اور ان کے قابل ستائش اعمال نے ان کے ایمان کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کی لیکن منافقین کا معاملہ ان کے برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ ان کے کذب کا علم اور ان کے خبیث اعتقاد کی اطلاع تھی اور معلوم تھا کہ اپنی زبانوں سے جس کے یہ دعویداریں، اس کے بارے میں یہ خود شک میں مبتلا ہیں اگرچہ بظاہر یہ اس کی تصدیق کرتے تھے، حتیٰ کہ جب آخرت میں انہیں انہی لوگوں میں اٹھایا جائے گا جن میں یہ دنیا میں شمار ہوتے تھے تو یہ گمان کرنے لگیں گے کہ جہاں وہ (یعنی اہل ایمان) جائیں گے وہاں یہ بھی جائیں گے، جہاں وہ داخل ہوں گے، وہاں یہ بھی داخل ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے بھی اگرچہ ان کے لئے احکام کو ظاہر فرمایا جنہوں نے انہیں دنیا میں بھی ان کے ساتھ ملائے رکھا اور آخرت میں بھی اس وقت تک انہی کے ساتھ رکھے گا، جب وہ ان میں اور اپنے دوستوں میں فرق کرتے ہوئے ان کو دردناک سزا اور خوفناک جہنم سے دوچار کر دے گا اور انہیں جہنم کے اس سب سے نیچے کے طبقے میں پہنچائے گا جسے اس نے اپنے سب سے بڑے دشمنوں اور بدترین انسانوں کے لئے تیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ اس طرح کرنا ان کے افعال کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ یہ معاملہ یعنی بر بدل و انصاف ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے وہ اسی بات کے مستحق تھے کہ ان کی منافقانہ روش کی وجہ سے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بھی وہ احکام رکھے جو اس کے دوستوں کے لئے تھے حالانکہ یہ منافق اس کے دشمن تھے، آخرت میں انہیں مومنوں کے ساتھ ہی اٹھائے گا حالانکہ دنیا میں یہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے تھے تا آنکہ وہ لمحہ آجائے گا جس میں اللہ تعالیٰ اپنے سچے مومن بندوں اور منافقوں میں فرق کر دے گا کہ وہ منافقوں کے ساتھ استہزاء، مذاق، خداع اور مکر کرے گا۔ جب کہ ان الفاظ کا وہ

معنی ہوں جو ہم نے ابھی بیان کئے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، ارشاد باری تعالیٰ :

لَوْمْ يَقُولُ الْمُشْكِفُونَ وَالْمُخَفِّضُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُوا وَافْتَخِشُوا مِنْ نُورِكُمْ

”اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف نظر (شفقت) کیجئے کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔۔۔۔۔“

کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ ہم سے ہمارے والد ابو حاتم نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہم سے عہدہ سلیمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابن مبارک نے اور انہوں نے کہا ہم سے صفوان بن عمرو نے بیان کیا اور انہوں نے کہا کہ مجھ سے سلیم بن عامر نے بیان کیا کہ ہم ایک جنازہ کے ساتھ باب دمشق کی طرف گئے اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ تھے، جب نماز جنازہ پڑھی گئی اور لوگوں نے میت کو دفن کرنا شروع کر دیا تو ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”لوگو! اب تو تم ایک ایسی جگہ صحن اور شاہیں بسر کر رہے ہو، جس میں تم نیکیوں اور برائیوں کو حاصل کر رہے ہو اور ممکن ہے کہ عنقریب تم ایک دوسری جگہ چلے جاؤ اور وہ یہ ہے۔۔۔ قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔۔۔ اور یہ تنہائی بنا رہی اور کیدوں کا گھر ہے اور بہت تنگ ہے الایہ کہ اللہ تعالیٰ اسے کشادہ فرمادے اور پھر یہاں سے تم

روز قیامت کے مقامات کی طرف منتقل کئے جاو گے۔ تم انہی مقامات میں ہو گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی چیز لوگوں کو ڈھانپ لے گی۔ جس سے کچھ پھرے سفید اور کچھ سیاہ پڑ جائیں گے، پھر تمہیں ایک اور منزل کی طرف منتقل کر دیا جائے گا جہاں لوگوں کو شدید غلغلہ اور تاریکی نے ڈھانپ رکھا ہوگا پھر وہاں نور تقسیم ہوگا مومن کو نور دیا جائے گا لیکن کافر اور منافق کو کچھ بھی نہ دیا جائے گا اور یہی وہ مثال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ :

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي سَحَابٍ مُمَجِّجٍ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ غُلُظٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَنْ لَمْ يَحْمِلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَهُوَ أَلْهُوَ نُورٌ ۖ ... سورة نور ٤٠

”یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے، جس پر لہر چڑھی چلی آتی ہے (اور) اس کے اوپر اور لہر (آرہی ہواور) اس کے اوپر ادا دل ہو غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک (چھایا ہوا)۔ جب اپنا تھنکا لے تو کچھ نہ دیکھ سکے اور جس کو اللہ روشنی نہ دے اس کیلئے (کس بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)“

کافر و منافق، مومن کے نور سے روشنی حاصل نہ کر سکیں گے جس طرح اندھا بینا کی بصارت سے روشنی حاصل نہیں کر سکتا، منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے:

انظرونا نفثيس من نوركم قيل ارجعوا واءكم فالتمسوا نورا... **١٣** ... سورة الحديد

”ہماری طرف نظر (شفقت) کیجئے کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کو لوٹ جاؤ اور وہاں نور تلاش کرو“

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ دھوکا ہوگا جو وہ منافقوں کو دے گا۔

جیسا کہ اس نے فرمایا ہے :

يُخَوِّدُ عَنِ اللَّهِ وَيُخَوِّدُ عَنْهُمْ

١٤٢ ... سورة النساء

”یہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انہیں کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔“

یہ اس جگہ واپس آئیں گے جہاں نور تقسیم ہوا تھا مگر وہاں اب یہ کچھ بھی تو رہا نہیں گے لہذا یہ مومنوں کے پاس جا نہیں گے تو ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا کہ :

باطنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قَبْلِهِ الْعَذَابُ ۚ ۱۳ ... سورة الحديد

”اس کی جانب اندرونی ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو جانب بیرونی ہے اس طرف عذاب“

سليم بن عامر بيان كرتے ہيں كہ نور تقسيم ہونے اور منافق و مومن ميں تميز ہونے كيك منافق بتلائے فريب ہي رہے گا پھر انہوں نے اپنے والد گرامي، يحيى بن عثمان،

ابن حیوة، ارطاة بن منذر، یوسف بن حجاج کی سند کے ساتھ ابوالوامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس قدر شدید ظلمت و تاریکی طاری کر دے گا کہ کوئی مومن یا کافر اپنے ہاتھ تک کو بھی نہ دیکھ سکے گا پھر اللہ تعالیٰ مومنوں پر ان کے اعمال کے بقدر نور پھیلا دے گا تو منافقین، مومنوں کے پیچھے لگ جائیں گے اور کہیں گے:

انظرونا نقشب من نوركم ۱۳ ... سورة الحديد

”ہماری طرف نظر (شفقت) کیجئے کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔“

عوفی، اور ضحاک وغیرہ صحابہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگ جب ظلمت اور تاریکی میں مبتلا ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نور پھیلا دے گا، مومن جب اس نور کو دیکھیں گے تو اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور یہ نور گواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کے لئے جنت کی رہنمائی کرے گا، منافق جب دیکھیں گے کہ مومن چل پڑے ہیں تو وہ بھی ان کے پیچھے چل پڑیں گے تو اللہ تعالیٰ منافقوں پر ابرہہ طحاری کر دے گا تو اس وقت وہ

مومنوں سے کہیں گے کہ

انظرونا لفتنيس من نوركم ہم دنیا میں تمہارے ساتھ تھے تو مومن کہیں گے کہ جاو اہل اس مقام پر تاریکی میں لوٹ جاو، جہاں سے تم آئے ہو اور وہاں نور تلاش کرو۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ جو ہم نے ابن جریر اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہما کے حوالہ ذکر کیا ہے اس سے قاری کے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا، کافروں کے ساتھ مکروہ ذاق، منافقوں کے ساتھ دھوکا و استہزاء اور اپنے دشمنوں کے ساتھ فریب مبنی بر حقیقت ہے اور یہ کسی تاویل کا محتاج نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے یہ حق و عدل پر مبنی ہے اور اس کی طرف سے کافروں اور منافقوں کے عمل کی اس طرح سزا ہے جس طرح اس کی ذات گرامی کے لائق ہے اور یہ اس طرح نہیں ہے جس طرح اس کے دشمنوں سے اس کا ظہور ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال مخلوق میں سے کسی کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتے بلکہ یہ اس طرح ہیں جس طرح اس کی ذات پاک کے شایان شان ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی یہ تمام صفات اور افعال حق اور عدل میں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی کیفیت کو بھی اور کوئی نہیں جانتا، بندگان الہی صرف اس قدر جانتے ہیں جو اس نے اپنی کتاب کریم میں بیان فرمادیا ہے اس نے اپنے رسول امین ﷺ کی زبانی فرمادیا ہے۔

(۱۸) صابیونی نے ابن تیمیہؒ کا حوالہ غلط دیا ہے۔ صابیونی نے اپنے چھٹے مقالہ اور بعض سابقہ مقالوں میں بھی لکھا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ”علماء فروع دین کے مددگار ہیں جب کہ اشاعرہ اصول دین کے مددگار ہیں۔“

صابیونی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس قول کو منسوب کرتے ہوئے فتاویٰ جلد ۳ کا حوالہ دیا ہے۔ ج ۳، ص ۶۰ کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ قول فقہیہ ابو محمد کا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ برادر صابیونی سے یہ قول نقل کرتے ہوئے غلطی ہو گئی ہے اور اگر الفرض اس قول کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ اشاعرہ کی غلط بات کی بھی تردید نہ کی جائے کیونکہ شرعی قاعدہ یہ ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان فرمایا ہے کہ ”عالم کی جو بات کتاب و سنت کے موافق ہوگی اس پر اس کی تعریف کی جائے گی اور جو کتاب و سنت کے مخالف ہوگی اس کی تردید کی جائے گی“ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول مبنی بر حق ہے، اہل سنت و الجماعت کا بھی یہی موقف ہے اشاعرہ اور دیگر لوگوں نے اصول دین اور دیگر موضوعات پر حق کی حمایت میں جو کما یا لکھا وہ قابل ستائش ہے اور ان سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں، ان کی تردید کی جائے گی تاکہ حق ثابت ہو جائے اور باطل کی تردید ہو جائے تاکہ کم علم لوگوں کے لئے کوئی بات مشتبہ نہ رہے۔ ”واللہ المستعان۔“

(۱۹) ضعیف حدیث سے استدلال جائز نہیں۔۔۔ کلمہ گو مسلمان سے زبان رکھنے کے یہ معنی نہیں کہ اس کی غلطیوں کو بھی واضح نہ کیا جائے۔

صابیونی نے اپنے چھٹے مقالہ میں ذکر کیا ہے کہ ”صحیح حدیث میں ہے کہ تین چیزیں اصول ایمان میں سے ہیں (۱) اس سے رک جانا جس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا۔ (۲) گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر قرار دینا۔ (۳) تقدیر کے ساتھ ایمان لانا

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

لیکن حدیث کی معتبر کتابوں کی طرف جب ہم نے مراجعت کی تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث بہت ضعیف ہے، علامہ سیوطیؒ نے ”جامع“ میں اس کے ضعف کی نشاندہی کی ہے۔ امام ابو داؤد نے اسے بطریق یزید بن ابی شیبہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن یہ راوی یزید مجہول ہے جیسا کہ ”تہذیب“ اور ”تقریب“ میں ہے، مناوی نے ”فیض القدر“ میں لکھا ہے کہ یزید بن ابی شیبہ (نوں کے ضمہ کے ساتھ) کی روایت امام ابو داؤد کے سوا مولفین کتب سنت میں سے اور کسی نے بیان نہیں کی اور یہ راوی مجہول ہے، جیسا کہ مزنی اور دیگر ائمہ نے بیان کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ برادر صابیونی نے اس حدیث کو جو صیغہ جزم کے ساتھ صحیح لکھا ہے، تو یہ درست نہیں ہے، اس حدیث کو صیغہ تقریض رومی (روایت کیا گیا ہے) کے ساتھ بیان کرنا چاہئے جیسا کہ اہل علم نے ضعیف احادیث بیان کرنے کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا ہے اور پھر برادر صابیونی نے وہ الفاظ بھی صحیح طور پر نہیں لکھے جو اس حدیث میں آئے ہیں۔ لہذا ہم اتمام فائدہ کے لئے ابو داؤد سے اس کے الفاظ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ امام ابو داؤد نے اسے سعید بن منصور، ابو معاویہ، جعفر بن برقان از یزید بن ابی شیبہ کی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ثمنین چیزیں اصل ایمان ہیں (۱) اس سے رک جانا جس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اسے کسی گناہ کی وجہ سے کافر قرار نہ دواور نہ کسی عمل کی وجہ سے اسلام سے خارج قرار دو (۲) جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس وقت سے لے کر اس وقت تک جہاد باقی رہے گا جب میری امت کا آخری شخص دجال سے لڑے گا، اسے کسی ظالم کا ظلم یا کسی عادل کا عدل ختم نہ کر سکے گا اور (۳) تقدیر پر ایمان لانا“ اس حدیث کے ہم معنی کچھ دیگر صحیح احادیث بھی ہیں لہذا اہل سنت و الجماعت کا قول ان کے مطابق ہے، چنانچہ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور پھر اس گواہی کے معنی کی پابندی کرے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جو اسلام کے منافی ہو تو اس سے رک جانا واجب ہے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی اس حدیث میں ہے جس کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں، جب وہ یہ کام کریں گے تو مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچالیں گے مگر ہجر اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ عز و جل کے سپرد ہوگا۔“ نوارج کے برعکس اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ شرک کے سوا کسی اور گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا اور کسی ایسے عمل کی وجہ سے جو اسے مشرکوں کے ساتھ نہ ملائے، اسلام سے خارج نہیں قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ... ۴۸ ... سورة النساء

”اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا۔“

برادر صابیونی نے اس حدیث کو اس لئے ذکر کیا تھا کہ وہ یہ استدلال کریں کہ یہ واجب ہے کہ اشاعرہ کے بارے میں یہ بات نہ کی جائے، ان کی غلطیوں کو واضح نہ کیا جائے، اسی طرح دیگر اسلامی فرقوں نے جو غلطیاں کی ہیں، انہیں بھی واضح نہ کیا جائے لیکن ان کا یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جو حق کی مخالفت کرے اس سے رک جانا بھی واجب ہے، نہ اس کے یہ معنی ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دیا جائے اور نہ اس کا یہ مضمون ہے کہ اشاعرہ اور دیگر لوگوں کی خطاوں اور غلطیوں کو بھی بیان نہ کیا جائے بلکہ کتاب اللہ اور صحیح سنت کے تمام دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ واجب ہے کہ نیکی کا حکم دیا

جائے، برائی سے منع کیا جائے اور مخالفت حق کی تردید کی جائے اور راہ راست کی طرف اس کی راہنمائی کی جائے تاکہ جو مرنا چاہے وہ بھی دلیل سے مرے اور جو جینا چاہے وہ بھی دلیل کی بنیاد پر جیے، عیساکہ قبل ازیں بھی بیان کیا ہے۔ اگر مذکورہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اسلام کا اظہار کرے وہ کلمہ توحید کا اقرار کرے تو اس سے لڑنے سے رک جانا ہوگا اور پھر اس کا جائزہ لے کر، اولہ شرعیہ کے مطابق اس سے وہ معاملہ ہوگا جس کا وہ مستحق ہے، عیساکہ اس پر وہ صبح احادیث دلالت کناں ہیں جن کی طرف ہم نے ابھی ابھی اشارہ کیا ہے۔

حدا ما عندی والند اعلم بالصواب

مقالات و فتاویٰ

ص 145

محدث فتویٰ

